ترقی پسند تحریک کے فکری تناظر
(آزادی کے بعد)

ڈاکٹر محمد عالم خان

Dr. Muhammad Alam Khan

Associate Professor, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract

This essay aims at introducing the most significant movement in the history of Urdu literature. I have tried to lay the perspective to make the movement understandable with ease and in comfort. T h e analysis will bring up the point that progressivism has never died down but the PWA, however, could not work with all that ferver, for some length of time. The writers have been creating progressive literature even in that situation. It has also been an endevour to suggest the role of modern writers pertaining to progressive literature especially when PWA is also existing formally these days.

ترقی پسند تحریک کا آغاز 1936ء میں ہوا جس میں منشی پریم چند نے پہلے صدارتی خطبہ میں جن خیالات کا اظہار کیا اُس سے تحریک کے فکری خدوخال کا تعین کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے اور ان خیالات کو تحریک کا ابتدائی منشور قرار دیا جا سکتا ہے۔ منشی پریم چند کے مطابق:

> ''جس ادب سے ہمارا ذوق صحیح بیدار نہ ہو، روحانی اور ذہنی تسکین نہ ملے ہم میں قوت اور حرکت پیدا نہ ہو، ہمارا جذبہ حسن نہ جاگے، جو ہم میں سچا ارادہ اور مشکلات پر فتح پانے کے لیے سچا استقلال پیدا نہ کرے، وہ آج ہمارے لیے بیکار ہے۔ اس پر ادب کا اطلاق نہیں ہوتا ..... ادب ہماری زندگی کو فطری اور آزاد بناتا ہے۔''(۱)

انجمن ترقی پسند کے قیام اور ضرورت و اہمیت کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ انجمن

کے ابتدائی اجلاس میں جو تجاویز پیش کی گئی وہ ہندوستان کی تاریخ میں بلکہ سیاسی وسماجی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ تجاویز میں یہ بات طے کی گئی تھی کہ ہندوستان کے مختلف لسانی صوبوں میں ادیبوں کی انجمنیں قائم کی جائیں گی، ان انجمنوں کے درمیان جرائد، وسائل کے ذریعے رابطہ رکھا جائے گا۔ علاوہ ازیں صوبوں کی، مرکز کی اور لندن کی انجمنوں کے درمیان قریبی تعلق پیدا کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی طے کی گئی تھی کہ اُن ادبی تنظیموں سے بھی میل جول پیدا کیا جائے گا جو انجمن کے مقاصد کے خلاف نہ ہوں۔

ترقی پسند افکار ونظریات کے فروغ کے لیے ادبی تخلیقات اور تراجم کا جامع منصوبہ بنایا جائے گا تاکہ سماج میں موجود تہذیبی پسماندگی کو ختم کیا جا سکے اور ہندوستانی آزادی اور سماجی ترقی کی راہ ہموار ہو سکے، اس سلسلے میں جو بات بہت اہمیت کی حامل ہے وہ یہ ہے کہ فکر ونظر اور آزادی اظہار کے لیے جدوجہد کی جائے۔ ان امور پر عمل درآمد کے لیے انجمن کا قیام ایک تاریخی اہمیت کا حامل قرار پاتا ہے۔

ترقی پسند مصنفین نے جو اعلان نامہ تیار کیا اُس میں بھی یہ لائحہ عمل طے کیا کہ ہندوستان میں جو انقلابی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں ادیبوں کا یہ فرض ہے کہ ان تبدیلیوں کا اظہار ادب میں کیا جائے۔ اس سلسلے میں ایسا ادب تخلیق کیا جائے جس میں خاندان، مذہب، جنسی، جنگ، سماج کے بارے میں رجعت پسندی اور ماضی پرستی کے خیالات کے فروغ کو روکا جائے اور ادب کو زندگی کے بنیادی اور حقیقی مسائل کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔ بھوک، افلاس، سماجی پستی جیسے بنیادی مسائل کو ادب کا موضوع بنایا جائے۔ اس اعلان نامے کے بعد ترقی پسند تحریک کے مقاصد کے حقیقی خدوخال ابھر کر سامنے آئے۔ اس بارے میں صدیق کلیم رقمطراز ہیں:

۱۔ تہذیبی رجعت پسندی سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام کے خلاف جدوجہد کرنا، ۲۔ وجود کو خیال پر مقدم قرار دے کر صحیح اقدار کو متعین کرنا، ۳۔ ماضی کی ان قدروں کی حفاظت کرنا جو انسانیت کو آگے بڑھانے میں مدد دیتی ہیں۔ ۴۔ واقعیت اور حقیقت نگاری پر زور، بے مقصد رومانیت ..... سے پرہیز کیا جائے۔ ۵۔ ہیئت پرستی سے بچا جائے۔ یہ سمجھ کر ہیئت موضوع پر مبنی ہے نئی تکنیک سے تجربے کی بدولت وجود میں آ سکتی ہے۔

۴۔ ایسی ادبی تنقید کو رواج دینا جو رجعتی اور احیائی میلانات کو ختم کرے اور ترقی پسند رجحانات کو فروغ دے۔(۲)

ترقی پسند تحریک کے مذکورہ بالا مقاصد اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ انیسویں صدی کے وسط تک متحدہ ہندوستان کی صورت بظاہر پُرسکون تھی لیکن اس پرسکون سطح کے نیچے تقریباً دو صدیوں کے سماجی اور معاشی حالات، جبر واستحصال کی الم ناک صورتِ حال موجزن تھی۔ اس کے سبب ۱۸۵۷ء کی

جنگ آزادی کے تاریخی المیے نے جنم لیا اور مسلمانوں پر ترقی کے راستے بند ہو گئے۔ سرسید تحریک نے مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی سطح پر چھائے ہوئے جمود کو توڑنے کی کوشش کی اور مسلمانوں کی بقا اور ترقی کے لیے ایک عہد ساز تحریک کا آغاز کیا۔ یہی وجہ ہے کہ انیسویں صدی کے ادب میں جو انقلابی تبدیلیاں آئیں اس کا سہرا بھی سرسید تحریک کے سر ہے۔ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۳ء تک رجعت پرستی، فرقہ پرستی اور سماجی دھوکہ دہی کے سامراجی اقدام نے حساس ادیبوں کو بُری طرح متاثر کیا اور ۱۹۴۹ء میں ترقی پسند تحریک کا منشور منسوخ کر کے نیا منشور ترتیب دیا گیا جو امر کا غماز تھا کہ رجعت پسندی اور ترقی پسندی و متضاد اور متحارب نظریات میں جو کبھی یکجا نہیں ہو سکتے۔ اس سلسلے میں پروفیسر احتشام حسین رقم طراز ہیں:

> ''ترقی پسند ادیب ادب کو مقصود بالذات نہیں سمجھتا بلکہ زندگی کی ان کشمکشوں کی ترجیح اور تشریح اظہار کا آلہ سمجھتا ہے جس سے زندگی کی نشوونما ہوتی ہے اور اسے ان مقاصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ بناتا ہے جن سے آزادی امن و اور ترقی عبارت ہے۔''(۳)

ترقی پسند تحریک کا ادبی و فکری سطح پر ایک بہت بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے ادب کو خواص کے حلقوں سے نکال کر عام انسانوں اور محنت کشوں کی خواہشات اور خوابوں کا مسکن بنا دیا اور یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ترقی پسند دانشور بھی وہ لوگ تھے جنھوں نے عام آدمی کے دروازے پر دستک دی اور اُسے اپنی ادبی تخلیقات کا موضوع بنایا۔

یوں ترقی پسند تحریک نے ادب کو قنوطیت یا ہیئت پسندی، رجعت پرستی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر زندگی کی نئی حقیقتوں سے روشناس کیا۔ ڈاکٹر وزیر آغا کے خیال میں:

> ''رجائیت کا یہ عنصر جس نے اردو ادب کو خون کی کمی میں مبتلا کر دیا تھا، ترقی پسند تحریک کے واسطے سے اردو ادب میں داخل ہوا اور نئی نسل کو ایک نیا جوش، ولولہ اور امید پیدا کرنے میں کامیاب ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک مثبت اثر تھا جس کے سبب نئی نسل فعال ہوئی۔''(۴)

قیام پاکستان کے بعد ترقی پسند تحریک اپنے افکار و نظریاتی کی ترویج کے لیے مختلف سطحوں پر اپنے سفر پر گامزن رہی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حکومتی اور ریاستی جبر و تشدد کا سامنا بھی کرتی رہی لیکن یہ ایک افسوس ناک امر ہے کہ ریاستی ہتھکنڈوں اور ملکی سیاسی صورتِ حال کے نتیجے میں تنظیمی سطح پر انجمن توڑ پھوڑ کا شکار ہو گئی۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی:

> ''موجودہ زمانے میں ادب کی ترقی پسند تحریک بڑی ہی کٹھن راہوں سے گزر رہی ہے۔ کچھ تو یہ اندرونی خرابیاں ہیں جو اندر ہی اندر اس کو کھوکھلا کیے دے رہی ہیں۔ کچھ لوگوں کی مخالفت سے جو

لہر ترقی پسند تحریک سے بدکتے ہیں اور کچھ آج کل کے بدلتے ہوئے
خارجی حالات میں جنھوں نے نہ صرف ادب اور ترقی پسندی بلکہ
تہذیب، کلچر اور سماج کی عمارتوں تک کو ڈانواں ڈول کر دیا ہے۔''(۵)

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ قیام پاکستان کے بعد ملکی سیاسی و سماجی صورتِ حال میں تہذیبی شکست وریخت کا شکار رہی ہے۔ اُس نے ادبی و فکری سطح پر ادیبوں اور دانشوروں کو متاثر کیا ہے اور حکومت کے جبر و استبداد کے باعث ترقی پسند مصنفین کی پکڑ دکڑ گرفتاریوں اور انجمن پر پابندی کے نتیجے میں ترقی پسند تحریک تو ختم ہو گئی لیکن تحریک فکری سطح پر مختلف صورتوں میں جاری رہی اور یہ سفر آج بھی جاری ہے کہ ترقی پسند ادب کی راہ میں جو چیز صدر راہ ثابت ہوئی وہ ترقی پسند تحریک ہے۔ عہد موجود میں ترقی پسند ادب کسی تحریک کے تابع نہیں ہے بلکہ یہ کہنا مناسب ہو گا یہ ادب اپنی باطنی توانائی اور طاقت کے توسط سے ترقی کی منازل طے کر رہا ہے اور اپنی اہمیت و افادیت میں روز بروز اضافہ کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں تنظیمی اور تحریکی قدغنوں سے آزاد ہو کر نئے تخلیقی امکانات کو جنم دے رہا ہے۔ اس کی شاید ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پاکستان کے تمام تر ادیبوں نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ کوئی بھی ادب سماج سے الگ ہو کر تخلیق نہیں کیا جا سکتا چنانچہ کم و بیش تمام ادیبوں اور دانشور انسان دوستی، طبقاتی استحصال اور سماجی انصاف کے حصول کے لیے کوشاں ہیں اور ظلم و جبر کے خلاف احتجاج، عقلیت پسندی اور روشن خیال کو اختیار کرتے ہوئے اور پاکستان کے معروضی، موضوعی صورتِ حال کا حقیقی ادراک کر کے ایسا ادب تخلیق کر رہا ہے جسے تمام طبقۂ فکر میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے اور آج کا ادیب جبر کی فضا میں بھی زندگی کی زمینی حقیقتوں پر مبنی ادب تخلیق کر رہا ہے۔ ادب میں مقصدیت کی روایت مضبوط تر ہو رہی ہے اور ادب اور زندگی کی روایت مضبوط تر ہوتی جا رہی ہے لیکن اس کے باوجود پاکستان کی مخصوص صورتِ حال میں ترقی پسند ادب کو جتنا کردار ادا کرنا چاہیے تھا وہ ابھی تک نہیں کیا جا سکا۔ اگرچہ انسان کے دکھ درد اور اس کی تلخیوں کے علاج کی طرف ادیب توجہ کیے ہوئے ہے۔ دولت کی مساویہ تقسیم، عدل انصاف ماورا کی کوشش جاری ہے لیکن سامراجی اور استحصالی نظام کو ختم کرنے اور جاگیرداری وڈیرہ شاہی اور آمرانہ انداز فکر کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے کی کٹھن ترین منزل ابھی بہت دور دکھائی دیتی ہے۔

اس سلسلے میں موجودہ ترقی پسند ادب اور ادیب کی کاوشیں قابل تحسین ہونے کے باوجود بہت ناکافی ہیں جن پر عہد حاضر کے ادیب اور دانشوروں کو پھر سے اجتماعی سطح پر متحد ہو کر اپنا تخلیقی و فکری سفر تیز تر کرنا ہو گا کیونکہ اس فکر و نظریاتی جدوجہد کی عہد حاضر کے تناظر میں جتنی آج ضرورت ہے اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ شاید یہ کہنا مناسب ہو گا کہ ترقی پسند ادب کی اتنی ہی ضرورت و اہمیت اس عہد میں ہے جتنی ۱۹۳۵ء میں تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس پر بالخصوص ملکی ادیبوں اور دانشوروں کو ازسرِ نو غور کرنا ہو

گا جس طرح سجاد ظہیر، پریم چند، جوش ملیح آبادی، قاضی عبدالغفار، فراق گورکھپوری، مجنوں گورکھپوری، علی عباس حسینی، فیض احمد فیض، اختر حسین رائے پوری، علی سردار جعفری نے ترقی پسند تحریک کو جلا بخشی اور ان کے تسلسل میں کرشن چندر، جاں نثار، اختر اوپندر ناتھ رشک، سبط حسن، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، حیات اللہ انصاری، رشید جہاں اور تیسرے مرحلے میں احمد ندیم قاسمی، عزیز احمد، کیفی اعظمی، ساحر لدھیانوی، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، بلونت سنگھ بھی شامل سفر رہے۔ اسی طرح آج کے ادیبوں اور دانشوروں کو نئے فکری بیانیے کو آج کی صورتِ حال کے تناظر میں دیکھنا ہوگا اور نہ صرف پاکستانی دانشوروں، ادیبوں کا تاریخی فریضہ ہے بلکہ دنیا بھر کے ادیبوں کو انسانیت، امن، محبت اور آزادی کے لیے جدوجہد کرنا ہوگی۔

حوالہ جات

۱۔ ترقی پسند ادب، دستاویزات، ترقی پسند ادبی گولڈن جوبلی کمیٹی، بحوالہ ترقی پسند ادیبوں کا پہلا مینی فیسٹو ۱۹۳۵ئ، خرم پریس، پاکستان چوک، کراچی، س ن، ص: ۱۸

۲۔ صدیق کلیم، ترقی پسند ادب- معاشرتی اور ادبی پس منظر، تاریخ ادبیات اردو مسلمانان پاک و ہند، جلد دہم، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۸ء

۳۔ احتشام حسین، سید، روایت اور بغاوت، لکھنؤ: ادارہ فروغ اردو، طبع دوم، ۱۹۵۶ئ، ص: ۹۳- ۲۹۲

۴۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، نئے تناظر، الہ آباد: اردو رائٹرز گلڈ، ۱۹۷۹ئ، ص: ۷۷

۵۔ حمیرا اشفاق، مرتبہ: ترقی پسند تحریک فکری و فنی مباحث، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ئ، ص: ۱۹۵

☆......☆......☆